آداب و تعظیمِ رسالتِ مآب ﷺ: نمائندہ اردو تفاسیر کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ

ETIQUETTES AND RESPECT FOR PROPHET MUHAMMAD (PBUH): A RESEARCH STUDY IN THE LIGHT OF REPRESENTATIVE URDU COMMENTARIES

ڈاکٹر حافظ عبد الرشید*

ABSTRACT

After entering the realm of Islam, it is the responsibility of the believers to obey and respect the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him). In this regard, many etiquettes of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) have been carefully described in the Qur'an, so that Muslims may not be deprived of any privilege. Therefore, it is very important to study the ways of honoring the Holy Prophet (peace be upon him) and his manners. These etiquettes are related to daily routines such as etiquette of entering the house, etiquette of sitting in the meeting, etiquette of talking with him, etiquette of addressing him, etiquette of leaving the meeting and the way to ask you questions. In addition, in the Qur'an, there is an instruction in the rights of Muhammad (PBUH) to keep sending blessings and peace upon him, and also to consider his status high and to follow him in every matter. Pir Karam Shah Al-Azhari in Tafsir Zia-ul-Quran, Syed Abu Ali Maududi in Tafsir Tafheem-ul-Quran and Muhammad Idrees Kandhalvi in Tafsir Maarif-ul-Quran have given their wonderful explanations of the Verses related to the etiquette of the Holy Prophet (PBUH). The questions arise as which etiquettes of the Prophet (PBUH) are mentioned in these three commentaries and how can we use these in the present day? This article is being written to address these questions.

KEYWORDS: Respect, Etiquettes, Muhammad, afheem-ul-Quran, Zia-ul-Quran, Maarif-ul-Quran, Surah al-Hujrat

تعارف

اسلام اور ایمان کی حدود میں داخل ہونے کے بعد اہل ایمان پر جو اولین ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرمؐ

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد hafizabdulrashid@hotmail.com

کی اطاعت، فرمانبرداری اور آپ ؐ کی تعظیم و اکرام کو بجالائیں۔ اس بارے میں قرآن مجید میں آپ ؐ کی ذات و صفات کے بہت سے آداب کو بہت اہتمام سے بیان کیا گیا ہے تا کہ آپ ؐ کی بے ادبی کی بنا پر کہیں مسلمان کسی محرومی کا شکار نہ ہوں اور ان آداب و احترام کا لحاظ کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہوں۔ اس لیے نبی اکرم ؐ کی تعظیم کے طریقے اور آپ ؐ کے آداب کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ ذیل کے صفحات میں ان آداب کا تذکرہ کیا جارہا ہے اور ان آداب کا تفسیری ادب میں مطالعہ بھی پیش کیا جارہا ہے۔ ان آداب کو قرآن مجید نے بڑے واضح انداز میں ذکر کیا ہے تا کہ اہل ایمان ان آداب کا لحاظ رکھیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر اپنے ایمان کو بچا سکیں۔

1۔ احترام و اعزاز

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا نبی اکرم ؐ کے اکرام اور ان کی عزت و تکریم کو بجالانے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔"[1]

"تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اس کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔"

اس آیت میں بعض مفسرین نے تُعَزِّرُوهُ اور تُوَقِّرُوهُ کی ضمائر کا مرجع رسول اللہ ؐ کو اور تُسَبِّحُوهُ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ "تم رسول کا ساتھ دو اور اس کی تعظیم و توقیر کرو، اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو"۔ لیکن ایک ہی کلام کے سلسلہ میں ضمائر کو علیحدہ علیحدہ مرجع کی طرف لوٹانا، حالانکہ اس پر کسی قسم کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے، صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ ساری ضمائر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ ان مفسرین کے نزدیک اس عبارت کا مفہوم یہ ہو گا کہ تم اللہ تعالیٰ کا ساتھ دو ، اس کی عظمت بیان کرو اور عزت کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔[2]

ازہری ؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہاں حکم دیا جارہا ہے کہ میرے پیارے رسول پر سچے دل سے ایمان بھی لاؤ اور اس کی نصرت و اعانت میں سر دھڑ کی بازی لگا دو۔ اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنے جملہ مادی اور ادبی وسائل کو پیش کر دو اور اس کے ساتھ ساتھ میرے محبوب کے ادب و احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تم دین کی خدمت تو کرو لیکن بارگاہ نبوت کے

آداب کو ملحوظ نہ رکھو۔ نبیؐ کی اعانت اور اسی طرح نبیؐ کی تعظیم و تکریم یکساں اہمیت کی حامل ہیں"۔[3]

الغرض آیت مبارکہ میں نبی اکرمؐ کی تعظیم و توقیر بجالانے کا حکم دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا بھی حکم دیا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نبی اکرمؐ کی توقیر و تعظیم ایک ہی مقام رکھتی ہیں۔

2۔ نبی اکرمؐ بہترین نمونہ

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں نبی اکرمؐ کو شخصی و اجتماعی زندگی میں ایک بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہی آپؐ کی بعثت کا مقصودِ اصلی ہے اور آپؐ سے محبت و عقیدت کی دلیل ہے۔ بغیر اتباع نہ ایمان مکمل ہے اور نہ عشق و محبت کا دعوی کامل۔ دونوں جہانوں میں کامیابی کا دارو مدار بھی یہی اتباع ہے۔ اللہ رب العزت نے آپؐ کی نہ صرف اتباع کا حکم دیا ہے بلکہ آپ کی ذات والاصفات اور آپ کی زندگی کے تمام گوشوں کو قابلِ اتباع اور بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔"[4]

"حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔"

یہ آیت جنگ احزاب کے موقع پر ان لوگوں کو اتباع کا درس دینے کے لئے نازل ہوئی تھی جن حضرات نے اس وقت مفاد پرستی وعافیت کوشی سے کام لیا تھا۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ آپ لوگ اسلام، ایمان اور رسول ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرنے والے تھے۔ تمہیں چاہیے تھا کہ تم جس رسول کی پیروی کرتے ہو وہ تکالیف برداشت کرنے میں نہ صرف تمہارے ساتھ تھے بلکہ باقیوں کی بنسبت آپ ﷺ نے زیادہ حصہ لیا تھا۔ لہذا آپ ﷺ کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے کے لیے ضروری تھا کہ یہ اسوہ حسنہ دیکھ کر ان کی پیروی کرتے۔ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ صرف اسی موقعہ کے لیے نمونہ نہیں تھی بلکہ اسے ہر موقعہ اور ہر وقت کے لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر کام میں نبی اکرم ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ سمجھیں اور اسی کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں۔[5]

ازہریؒ ادبی پیرایہ میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلام فلسفیانہ نظریات کا مجموعہ نہیں کہ آپ اپنے ڈرائنگ روم میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر انہیں موضوع بحث

بنائیں۔ اپنے ذہن رسا سے طرح طرح کی ترمیمیں پیش کریں۔ مجلس مذاکرہ منعقد کر کے مقالے پڑھیں اور پھر یہ سمجھ لیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا، بلکہ یہ تو ایک نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی کرتا ہے اور ہر مرحلہ پر پیغام دیتا ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات پر کاربند ہونا اس وقت تک آسان نہیں جب تک ایک عملی نمونہ ہمارے پاس نہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لئے اپنے محبوب کو منتخب فرمایا تاکہ وہ ارشادات باری تعالیٰ پر خود عمل کر کے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی میں جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اس کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ جو حق کے متلاشی ہیں وہ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھ کر اس کو اپنے سینہ سے لگالیں۔ یہ آیت اپنے الفاظ کے اعتبار سے عام ہے۔ اسے زندگی کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جاسکتا"۔[6]

اس آیت میں نبی اکرمؐ کو بہترین نمونہ قرار دے کر اہلِ ایمان کو معاشرتی زندگی کا نصب العین اور نظام حیات عطا کر دیا گیا تاکہ مسلمان اپنی شخصی و اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے آپؐ کی پیروی کر سکیں۔ اور اس طرح اپنے رب کی رضا حاصل کر سکیں۔

3۔ نبی اکرمؐ کے گھر میں داخلہ کے آداب

عربوں میں رواج تھا کہ کسی شخص سے ملاقات کے لیے اس کے گھر میں داخلے کے لیے اجازت لینا ضروری نہ تھا بلکہ اندر داخل ہو کر وہاں موجود خواتین اور بچوں سے پوچھ لیا جاتا تھا کہ مطلوبہ صاحب وہاں موجود ہیں یا نہیں۔ اس جاہلانہ طریقہ سے بہت ساری خرابیاں اور اخلاقی مفاسد پیدا ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کے گھروں میں دخول کے لیے یہ ضابطہ مقرر کیا گیا کہ کوئی بھی شخص آپ ﷺ کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہو سکتا۔ پھر سورت نور میں یہ حکم عام مسلمانوں کے گھروں میں داخلے کے لیے بھی نافذ کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا۔"[7]

"اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، الا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے، وہ بھی اس طرح کہ تم اس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات میں کسی سے نہیں شرماتا۔ اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کو بھی اور ان کے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ ہو گا۔ اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔"

اس آیت کریمہ کے تحت مولانا کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بغیر اجازت اور بغیر دعوت کے نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوں۔ اگر تمہیں دعوت دی جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ ایسے وقت پر جاؤ کہ کھانا پکنے کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ ابن عطیہ رضی اللہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی دعوت ولیمہ ہوتی تو سویرے سے آجاتے اور کھانا پکنے کا انتظار کرتے اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ادب سکھایا کہ اولاً تو بغیر دعوت کے نہ جایا کریں اور اگر دعوت بھی ہو تو پہلے سے جا کر نہ بیٹھ جایا کریں۔ اور جب کھانا کھا چکو تو وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ اور جب تم پیغمبر کی بیویوں یا دیگر مسلمان عورتوں سے کوئی بات پوچھنا چاہو تو پردہ کے پیچھے سے پوچھو۔[8]

اس آیت کریمہ میں نبی اکرمؐ کے خانہ مبارک میں داخل ہونے کے حوالے سے درج ذیل آداب ذکر کیے گیے ہیں۔

1۔ اجازت لے کر داخل ہوں۔

2۔ نبی اکرمؐ کے گھر کھانے کے لیے اس وقت جانا چاہیے جب آپ کھانے کی دعوت دیں۔

3۔ کھانے سے فارغ ہو جانے کے بعد واپس چلے جائیں اور بلا وجہ وہاں نہ بیٹھے رہیں۔

4۔ نبیؐ کے گھر والوں سے کوئی چیز لینی ہو تو پردے میں رہ کر مانگو، اندر جانے کی بالکل بھی اجازت نہیں۔[9]

4۔ آداب مجلس نبویؐ

قرآن کریم کی مختلف جگہوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کا نہ صرف حکم دیا گیا ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے آداب بھی سکھلائے گئے ہیں۔ چونکہ ادب، تعظیم کی بنیاد ہے کہ ادب ہو گا تو تعظیم ہو گی اور تعظیم ہو گی تو اس کے ہر

حکم پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو گا۔ جب حکم پر عمل کرنے کا شوق پختہ ہو گا تو پھر محبت کی نعمت عطا کی جائے گی اور جب نبی اکرم ﷺ کا عشق حاصل ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک جانے کا راستہ روشن ہو جائے گا۔ ذیل میں نبی اکرمؐ کی مجلس سے متعلق چند آداب تحریر کیے جا رہے ہیں۔

الف۔ تقدم اور پیش قدمی

رسول اللہؐ کی مجلس کے آداب میں ایک اہم ادب یہ ہے کہ کسی قول یا فعل میں آنحضرتؐ سے پیش قدمی نہ ہو بلکہ انتظار کیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ کا جواب کیا ہے۔ البتہ اگر حضور ﷺ خود ہی کسی کو جواب کے لیے حکم ارشاد فرمائیں تو وہ جواب دے سکتا ہے۔ اسی طرح چلنے میں بھی کوئی آپ ﷺ سے آگے نہ جائے، کھانے کی مجلس میں آپ ﷺ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے مگر یہ کہ آپؐ کی تصریح یا قرائن قویہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ خود ہی کسی کو آگے بھیجنا چاہتے ہیں جیسے سفر اور جنگ میں کچھ لوگوں کو آگے چلنے پر مامور کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔"[10]

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سب کچھ سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔"

اس آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے کاموں میں پیش قدمی کے ذریعے خود بخود فیصلے نہیں کرنے چاہیں بلکہ ضروری ہے کہ پہلے دیکھا جائے کہ قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں ان کے حوالے سے کیا رہنمائی کی گئی ہے۔ لیکن کتب تفسیر میں اسے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق قرار دیا گیا ہے۔ سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

"یہ حکم مسلمانوں کے محض انفرادی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کے جملہ اجتماعی معاملات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ در حقیقت یہ اسلامی آئین کی بنیادی دفعہ ہے جس کی پابندی سے نہ مسلمانوں کی حکومت آزاد ہو سکتی ہے، نہ ان کی عدالت اور نہ پارلیمنٹ"۔[11]

ازہریؒ لکھتے ہیں:

"یہ ارشاد فقط اہل ایمان کی شخصی اور انفرادی زندگی تک محدود نہیں بلکہ قومی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں،

سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی کو بھی محیط ہے۔ نہ کسی فرد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کوئی ایسا قانون بنائے جو کتاب و سنت سے متصادم ہو اور نہ کسی عدالت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ احکام شرعی کے برعکس کوئی فیصلہ کرے"۔[12]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ الفاظِ آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی متعدد صورتیں ہیں۔ کسی مومن کے لئے ان صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کرنا یہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا ہے۔

ب۔ اندازِ تخاطب

رسول اللہ ؐکی مجلس میں بیٹھنے والوں اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو یہ ادب سکھایا گیا تھا کہ آپکے ساتھ ملاقات اور بات چیت میں اہل ایمان آپؐ کا انتہائی احترام ملحوظ خاطر رکھیں۔ کسی شخص کی آواز آپؐ کی آواز سے بلند تر نہ ہو۔ اس لیے عام آدمیوں کے ساتھ گفتگو اور آپؐ کے ساتھ گفتگو میں نمایاں فرق ہونا چاہیے اور کسی کو آپؐ کے ساتھ اونچی آواز میں کلام نہ کرنا چاہیے۔ اس بارے میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔"[13]

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں، اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔"

اس آیت کے پس منظر اور شانِ نزول میں اگرچہ ایک خاص واقعہ ہے لیکن الفاظ کا عموم اس طرف مشیر ہے کہ یہ حکم عام ہے اور اس کا تعلق قیامت تک کے زمانے سے ہے۔

مولانا کاندھلویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ؐکی توقیر و تعظیم کا یہ حق ہے کہ تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز پر بلند نہ کرو اور گفتگو میں آپس کے طرزِ تخاطب کو نبی اکرمؐ کے ساتھ ہمکلامی کے وقت اختیار نہ کرو، کیونکہ اس طرح کی بے حرمتی سے تمہارے اعمال حسنہ برباد ہو جائیں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہو گی۔ اور اس طرح کا طرزِ تخاطب رسول اللہ ؐکی اذیت اور دل آزاری کا ذریعہ ہو گا جو ایمان کی بربادی کا باعث ہے۔[14]

اور پھر اس آیت کا تعلق صرف آپؐ کے زمانے سے نہ تھا بلکہ آج بھی زیارتِ روضہ رسولؐ کی حاضری میں اس ادب

کے قرینے کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ ازہری لکھتے ہیں:

"اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے فرمایا ہے کہ انسان جب روضہ مقدسہ پر حاضری دینے کی سعادت سے بہرہ ور ہو تو وہاں بھی آواز اونچی نہ کرے۔ جہاں حدیث پاک کا درس ہو رہا ہو وہاں بھی آواز بلند نہ کرے۔ علمائے ربانیین کی خدمت میں حاضر ہو تو اس وقت بھی چلا چلا کر گفتگو نہ کرے اور اپنے پیر و مرشد سے بھی ادب و احترام ملحوظ رکھے۔"[15]

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ ادب اگرچہ نبیؐ کی بارگاہ کے لیے بتلایا گیا تھا اور اس کے مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، مگر بعد میں آنے والوں تمام مسلمانوں کو بھی ایسے مواقع پر اس طرح آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے جب آپ کا تذکرہ کیا جا رہا ہو یا آپ کا حکم بیان کیا جائے یا آپ کی کوئی حدیث روایت کی جائے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اپنے بزرگوں کے ساتھ گفتگو کس طرح کرنی چاہیے۔ اگر کوئی آدمی اپنے بزرگوں کے ساتھ ایسے بولتا ہے جیسے عام لوگوں کے ساتھ بولتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک بزرگوں کا کوئی احترام نہیں ہے۔[16]

ج۔ آدابِ تخاطب

نبی اکرمؐ کی مجلس اور آپؐ سے مخاطب ہونے کے آداب میں سے ایک یہ ادب ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو آپ کی عظمت اور تعظیم کو ظاہر کریں اور ایسے الفاظ سے پرہیز کریں جن میں آپ کی بے ادبی کا شائبہ بھی ہو۔ اللہ رب العزت اپنے حبیب کبریا کے بارے میں یہود کی ایک ایسی ہی شرارت کو بے نقاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس میں وہ آپ سے تخاطب کے وقت ذو معنی الفاظ بولتے تھے:

"يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔"[17]

"ایمان والو! (رسول اللہؐ سے مخاطب ہو کر) راعنا نہ کہا کرو، اور انظرنا کہہ دیا کرو۔ اور سنا کرو۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

یہودی آنحضرتؐ کی مجلس میں ذُو معنی الفاظ بولتے تھے۔ حضور ﷺ کی گفتگو کے دوران اگر انہیں یہ کہنا پڑتا کہ ٹھہریے، ذرا ہم یہ بات سمجھ لیں، تو وہ "راعنا" کا لفظ بولتے تھے۔ اس کا ظاہری معنی ہے "ذرا ہماری رعایت کیجیے" لیکن اس کے معنی میں اور بھی بہت سارے احتمالات موجود تھے۔ مثلاً عبرانی میں اس جیسے لفظ کے معنی ہیں "سُن، تو بہرا ہو جائے۔" عربی میں اس کا ایک مفہوم یہ ہے "صاحب رعونت اور جاہل و احمق"۔ لہذا مسلمانوں کو حکم دیا گیا

کہ تم نے یہ لفظ استعمال نہیں کرنا۔ اس کی جگہ پر تم نے "انظرنا" کہنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہماری طرف نظر کرم فرمائیں۔[18]

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ آپؐ سے مخاطب ہونے کے آداب کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی عزت و تعظیم کا یہاں تک پاس ہے کہ ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع فرمادیا جس میں گستاخی کا شائبہ تک بھی ہو۔ اس لیے راعنا کی جگہ انظرنا کہا کرو۔ کیونکہ یہ لفظ ہر طرح کے احتمالات فاسدہ سے پاک ہے۔ واسمعوا کا حکم دے کر یہ تنبیہ فرمادی کہ جب میرا رسولؐ تمہیں کچھ سنارہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر سنو تاکہ انظرنا کہنے کی صورت بھی نہ رہے۔ کیونکہ یہ بھی تو شان نبوت کے مناسب نہیں کہ ایک ایک بات تم بار بار پوچھتے رہو۔ یہ کمال ادب اور انتہائے تعظیم ہے جس کی تعلیم عرش و فرش کے مالک نے غلامان مصطفیؐ کو دی ہے۔"[19]

اس آیت سے درج ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں:

1۔ گفتگو میں صاف الفاظ استعمال کرنے چاہئیں، مشتبہ الفاظ سے بچنا چاہیے جس میں کوئی برا پہلو نکل سکتا ہو۔

2۔ جس لفظ کے استعمال سے فاسد معنی کا وہم پیدا ہوتا ہو اس کا استعمال نہ کرنا چاہئے اگرچہ بولنے والے کی نیت صحیح بھی ہو۔

3۔ نبی علیہ السلام کی اشارہ و کنایہ سے تحقیر کرنا بھی کفر کہلائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی صریح تحقیر نہیں کرتے تھے۔ راعنا بول کر اشارہ و کنایہ سے تحقیر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس وجہ سے بھی انہیں کافر قرار دیا۔[20]

د۔ مجلس سے جانے کا ادب

نبی اکرمؐ کی مجلس کے آداب میں سے ایک اہم ادب یہ ہے کہ جب رسول اللہؐ لوگوں کو کسی دینی جہاد وغیرہ کے لئے جمع کریں تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ سب جمع ہو جائیں اور پھر آپ کی مجلس سے بغیر آپ کی اجازت کے نہ جائیں۔ کوئی ضرورت پیش آئے تو نبیؐ سے اجازت لے کر جائیں۔ کیونکہ منافقین کی یہ عادت تھی کہ آپؐ کے حکم پر بدنامی سے بچنے کے لئے حاضر تو ہو جاتے تھے مگر پھر کسی کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے تھے۔ اس لیے اہل ایمان کو یہ ہدایت کی گئی کہ جب تک آپؐ اجازت نہ دیں آپ کی مجلس سے نہ جانا چاہیے۔ ارشاد باری ہے:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓي اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ۔"[21]

"مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں اور جب رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک ہوتے ہیں تو ان سے اجازت لیے بغیر کہیں نہیں جاتے۔ (اے پیغمبر) جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں۔"

آیت کی تفسیر میں مولانا کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

" صحیح الایمان لوگوں کا طریقہ یہی تھا کہ آپؐ کی مجلس سے بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے تھے مگر منافق لوگ آنکھ بچا کر بغیر اجازت لئے نکل جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتلا دیا کہ اجازت لینا صدق اور اخلاص کی دلیل ہے اور ادب اور تعظیم کی علامت ہے کہ اپنی ضرورت کو آپؐ کی اجازت پر موقوف رکھا جائے اور استاد اور مرشد کی مجلس کا بھی یہی حکم ہے۔"[22]

سید مودودیؒ نے اس آیت کے حکم کو نبی اکرمؐ کے بعد بھی عام رکھا ہے کہ تمام خلفاء اور امراء کی مجلس کے ادب میں یہ بات شامل ہے کہ ان کی مجلس سے اجازت لے کر جانا چاہیے، وہ لکھتے ہیں:

"یہی حکم نبیؐ کے بعد آپ کے جانشینوں اور اسلامی نظام جماعت کے امراء کا بھی ہے۔ جب کسی اجتماعی مقصد کے لیے مسلمانوں کو جمع کیا جائے، قطع نظر اس سے کہ جنگ کا موقع ہو یا حالت امن کا، بہر حال ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ امیر کی اجازت کے بغیر واپس چلے جائیں یا منتشر ہو جائیں"۔[23]

حاصل یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کی مجلس سے بلا اجازت اٹھ کر جانے کی ممانعت تھی اور آپؐ کے بعد علماء و صلحاء اور خلفاء و امراء اور اہل علم کی مجلس کا بھی یہ ادب ہے کہ ان سے اجازت لے کر مجلس سے اٹھا جائے۔

5۔ کثرتِ سوالات سے اجتناب

نبی اکرم علیہ السلام کی مجلس کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ سے بغیر ضرورت کے سوال کرنے سے گریز کیا جائے۔ کچھ لوگ مختلف قسم کے لایعنی سوال کرتے تھے۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے مجلس میں آپ ﷺ سے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ اسی طرح قرآن کریم میں اجمالی طور پر حج کے فرض ہونے کا حکم صادر کیا گیا۔ ایک آدمی نے اس حکم کے نزول کے فوراً بعد سوال کیا کہ آیا حج ہم پر ہر سال فرض کر دیا گیا ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس آدمی نے تین دفعہ سوال دہرایا تو تیسری دفعہ

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ ایسے ہی لایعنی اور غیر ضروری سوالات سے قرآن مجید میں منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھَا وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۔"[24]

"اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں، اور اگر تم ان کے بارے میں ایسے وقت سوالات کرو گے جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ (البتہ) اللہ نے پچھلی باتیں معاف کر دی ہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے۔"

نبی کریمؐ خود بھی لوگوں کو کثرت سوال سے اور خواہ مخواہ ہر بات کی کھوج لگانے سے منع فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

"عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا، مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ، فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ۔"[25]

"مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال چھیڑنے کی بدولت وہ چیز حرام ٹھہرائی گئی۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ ,قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا ,وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا ,وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا ,وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا۔"[26]

"اللہ نے کچھ فرائض تم پر عائد کیے ہیں، انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ پھٹکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اسے بھول لاحق ہوئی ہو، لہٰذا ان کی کھوج نہ لگاؤ۔"

ان احادیث میں اس حقیقت پر متنبہ کیا گیا ہے کہ جن امور کو شارع نے مجملاً بیان کیا ہے اور ان کی تفصیل نہیں بتائی، ان کے بارے میں خواہ مخواہ سوال کر کے تفصیلات اور تعینات اور تقیدات بڑھانے کی کوشش کرنا، ایمان لانے والوں کو الجھن میں ڈالنا ہے کیونکہ احکام میں جتنی قیود زیادہ ہوں گی پیروی کرنے والے کے لیے خلاف ورزیٔ حکم

کے امکانات بھی اسی قدر زیادہ ہوں گے۔

مولانا کاندھلویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ نکتہ ذکر کیا ہے کہ کثرت سوال کی ممانعت صرف نزول وحی کے زمانہ کے لیے تھی۔ چنانچہ اس کے بعد شریعت کے امور میں جانچ پڑتال اور تحقیق و جستجو کرنا افضل اور باعثِ اجر و ثواب امر ہے، لکھتے ہیں:

"اگر تم نے زمانہ نزول وحی میں اس قسم کے لایعنی سوالات کیے تو بہت ممکن ہے کہ بذریعہ وحی کوئی ایسا حکم نازل ہو جائے کہ جس سے تمہاری سہولت اور اباحت ختم ہو جائے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ اور اجتہاد کی گنجائش باقی نہ رہے۔ لہٰذا زمانہ نزول وحی میں اس قسم کے فضول سوالات سے غایت درجہ احتیاط ضروری ہے۔ البتہ زمانہ رسالت گذر جانے کے بعد کتاب و سنت کی روشنی میں دینی مسائل کی چھان بین کی ممانعت نہیں، کیونکہ اب اگر کوئی جدید حکم دیا جائے گا تو وہ کتاب و سنت سے قیاسی واستنباطی ہو گا جس سے وحی منزل کی طرح قطعی طور پر کوئی حلال چیز حرام یا حرام چیز حلال نہیں ہو سکتی۔"[27]

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں نبی اکرمؐ کی مجلس کا ایک یہ ادب بتلایا گیا ہے کہ آپؐ سے زیادہ اور بلاوجہ کے سوالات نہ کیے جائیں اور نہ ہی بیان کردہ احکام کی جزئیات اور ان کی قیودات سے متعلق سوالات کیے جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سوالات کی وجہ سے ایسے امور ضروری قرار پائیں جن کو بجالانا امت کے لیے دشوار ہو جائے۔ لیکن یہ حکم صرف نزول وحی کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا۔ اب تو امور شریعت کی جستجو اور ان کے بارے میں سوالات مقصود ہیں۔

6۔ رحمتِ دو عالم کی بارگاہِ عالی میں ہدیہ درود و سلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کا ایک ادب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوۃ و سلام بھیجا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے پہلے خود اپنا اور فرشتوں کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صلوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو اس کا حکم دیا۔ اس سے سلام بھیجنے والے مومنین کی یہ عظمت بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسے کام میں شریک فرمایا ہے جو کام وہ خود کرتا ہے اور اس کے فرشتے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔"[28]

ترجمہ: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو، اور خوب سلام

بھیجا کرو۔

صلوٰۃ کا معنیٰ و مفہوم

لفظ صلوٰۃ عربی زبان میں چند معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، رحمت، دعا، مدح وثناء۔ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو نسبت صلوٰۃ کی ہے اس سے مراد رحمت نازل کرنا ہے، اور فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ ان کا آپ کے لئے دعا کرنا ہے، اور عام مؤمنین کی طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا اور مدح و ثناء کا مجموعہ ہے۔ عام مفسرین نے یہی معنی لکھے ہیں۔

ازہریؒ لکھتے ہیں:

"آیت کریمہ میں فعل صلوٰۃ کے تین فاعل ہیں۔ 1۔ اللہ تعالیٰ۔ 2۔ فرشتے۔ 3۔ اہل اسلام۔ چنانچہ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوب کریمؐ کی تعریف وثنا کرتا ہے۔ اور جب اس کی نسبت ملائکہ اور اہلِ اسلام کی طرف ہو تو صلوٰۃ کا معنی دعا ہے کہ ملائکہ اور اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لئے دستِ بدعا ہیں۔[29]

سید مودودیؒ نے نہایت ادبی انداز میں اسے یوں بیان کیا ہے:

"صلوٰۃ کا لفظ جب علیٰ کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنی ہوتے ہیں۔ ایک، کسی پر مائل ہونا، اس کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ ہونا اور اس پر جھکنا۔ دوسرے، کسی کی تعریف کرنا۔ تیسرے، کسی کے حق میں دعا کرنا۔ یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے گا تو ظاہر ہے کہ تیسرے معنی میں نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ کا کسی اور سے دعا کرنا قطعاً ناقابل تصور ہے۔ اس لیے لامحالہ وہ صرف پہلے دو معنوں میں ہو گا۔ لیکن جب یہ لفظ بندوں کے لیے بولا جائے گا، خواہ وہ فرشتے ہوں یا انسان، تو وہ تینوں معنوں میں ہو گا۔ اس میں محبت کا مفہوم بھی ہو گا۔ مدح وثناء کا مفہوم بھی اور دعائے رحمت کا مفہوم بھی۔ لہٰذا اہل ایمان کو نبیؐ کے حق میں صَلُّوْا عَلَیْہِ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ، ان کی مدح وثنا کرو، اور ان کے لیے دعا کرو"۔[30]

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

"نبی کریمؐ کا یہ حق ہے کہ آپؐ پر صلاۃ و سلام پڑھا جائے کیونکہ آنحضرتؐ کا وجود حق تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا

ذریعہ ہے اور ملاء اعلی میں آپؐ کی خاص شان ہے اور آپؑ کا ادب و احترام قیامت کے دن آپؑ کی شفاعت کا وسیلہ ہے۔ لہٰذا مسلمانوں اللہ نے تم کو یہ خبر اس لیے دی ہے کہ تم کو اس پیغمبر کا مرتبہ معلوم ہو جائے کہ یہ پیغمبر اس قدر جلیل القدر اور عظیم الشان ہے کہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ وہ اللہ جل شانہ کی خاص الخاص رحمتوں اور عنایتوں کا اور ملائکہ مقربین اور ملاء اعلیٰ کی توجہات اور عنایات کا مورد و محل بنا ہوا ہے۔ لہٰذا تم کو بھی چاہیے کہ ملائکہ کی اقتداء کرو اور فرشتوں کی طرح صلاۃ وسلام بھیجو۔"[31]

قرآن کریم کے اس حکم کے بارے میں زہری لکھتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم لوگوں کو صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ہم نہ تو آپ ﷺ کی شان کو کماحقہ جانتے ہیں اور اس کے حق کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ اس لیے عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے ہم عرض گزار ہوتے ہیں: اللھم صلی الخ۔ یعنی اے اللہ تو ہی اپنے حبیب کی شان اور قدر و منزلت کو کماحقہ جانتا ہے۔ اس لیے ہماری جانب سے تو ہی اپنے حبیب پر درود بھیج جو ان کی شان کریمی کے مطابق ہے۔[32]

الغرض نبی اکرمؐ کی بارگاہ میں ہدیہ درود وسلام کا عمل ایک عظیم الشان عمل ہے جسے فرشتے بھی بجالاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مؤمنین کو حکم دیا ہے کہ وہ بھی اس عظیم الشّان کام کو بجالائیں۔

7۔ رسول اللہؐ کا رتبہ اور حقوق کی فوقیت

قرآن مجید کی رو سے اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ نبیؐ کی جان کی فکر کریں اور آپؐ کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور حتیٰ کہ اپنی جان سے زیادہ محبوب رکھیں۔ اسی کی خود آپؐ نے تعلیم دی اور اسے ایمان کی تکمیل کا سبب بتایا۔ ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔"[33]

"تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ' اس کی اولاد اور سب انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔"

یہی بات اللہ رب العزت نے اپنے لازوال کلام میں بہت اہتمام کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔"[34]

"ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں۔"

یعنی مومنوں کو اپنی جانوں پر تصرف کرنے کا اتنا زیادہ استحقاق نہیں ہے جتنا نبیکو ان کی جانوں پر تصرف کرنے کا حق

حاصل ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ نبیؐ مسلمانوں کو ان کے دین اور دنیا کے معاملات میں کسی چیز کا حکم دیں اور ان کی خواہش ان معاملات میں کوئی اور کام کرنے کی ہو تو ان پر لازم ہے کہ وہ اس کام کو کریں جس کا نبیؐ نے انہیں حکم دیا ہو اور اپنی خواہش پر عمل نہ کریں۔ اور واجب ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک نبیؐ ان کی اپنی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں اور ان کی جان اور مال کے نبیؐ ان سے زیادہ مالک ہوں۔

اولویت کے مراتب اور پہلو

تفسیری ادب میں آپؐ کے حق اولویت کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں جن کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ذیل میں ان کا ذکر کیا جارہا ہے۔

الف۔ شفقت ورحمت میں اولی ہیں

یعنی اہلِ اسلام کی خیر خواہی، اصلاح احوال، فلاح دارین اور ان پر لطف و کرم فرمانے میں محبوب کبریاءؐ ان پر ان کے نفوس سے بھی زیادہ مہربان اور شفیق ہیں۔ جتنا نبیؐ کو اپنی امت کی عزت، خوشحالی، اخلاقی برتری کا خیال ہے، امت کو خود بھی اپنا اس قدر خیال نہیں۔[35]

ب۔ مقام ومرتبہ میں اولی ہیں

پہلے مقام کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے والدین، اولاد اور اپنے آپ سے بڑھ کر آپ ﷺ کو عزیز جانیں، ہر چیز سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت کریں، آپ ﷺ کی رائے اور فیصلے کو ہر حال میں مقدم رکھیں اور آپ ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔[36]

8۔ اتباعِ نبیؐ کا حکم

نبی اکرمؐ کی تعظیم و آداب میں اہم ترین پہلو یہ ہے کہ امت کے تمام امور میں آپؐ کی اتباع اور پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جابجا اس کی وضاحت آئی ہے۔ ایک مقام پر اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

"قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ۔"[37]

"(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔"

دراصل یہود نے یہ دعوی کرر کھا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب ہیں اور ان سے محبت کرنے والے ہیں، اس

لیے ہمیں کسی اور کی اتباع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور پھر سب اہل اسلام کو یہ بتلایا ہے کہ محبت صرف دعوی سے نہیں جانچی جاتی بلکہ اس کا اول معیار یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کس قدر ہے۔ مولانا کاندھلویؒ اس معیار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان آیات میں حق جل شانہ نے ان کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم اللہ کی محبت اور دوستی کے دعوے دار ہو تو ہمارے نبی کا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا یعنی اگر تم ہمارے نبی کا اتباع کروگے تو اس کا صلہ یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ تم کو محبین کے درجہ سے محبوبین کے درجہ تک پہنچادے گا اور اس طرح تم محب سے محبوب بن جاؤگے اور طالب سے مطلوب ہو جاؤگے"۔[38]

اسی بات کو ازہریؒ نے خوبصورت انداز میں لکھا ہے:

"محبت الٰہی کا دعویٰ بغیر دلیل قابل التفات نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ اگر تم نے دل وجان سے اس رسول کریمؐ کی اطاعت کی تو تمہارا دعویٰ محبت بھی درست تسلیم کرلیا جائے گا۔ اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی نعمت سے بھی سرفراز کئے جاؤگے یعنی تمہیں محبوب الٰہی ہونے کا شرف بخشا جائے گا۔ اور تمہارے اعمال نامہ کی سیاہی کو رحمت اور مغفرت کے پانی سے صاف کردیا جائے گا"۔[39]

ان اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ ہر دعوی کی دلیل ہوتی ہے جس سے دعوی کی صداقت کو پہچانا جاسکتا ہے اور محبتِ الٰہی کا دعوی بھی دلیل کا محتاج ہے۔ اور یہود کے پاس ان کے اس دعوی کی کوئی دلیل نہ تھی، اس لیے قرآن مجید نے محبت الٰہی کے معیار کو بیان کیا ہے کہ اس کا واحد معیار اطاعت رسول اللہؐ ہی ہے اور یہی پیغام اس امت مسلمہ کو بھی ہے کہ محبت بلا اطاعت معتبر نہیں۔

خلاصۂ بحث

قرآن مجید نے نبی اکرمؐ کے آداب کے بارے میں واضح تعلیمات دی ہیں۔ آپؐ کی عزت و توقیر کا حکم دیا گیا ہے، آپؐ کی زندگی کو بہترین نمونہ قرار دیا ہے تاکہ مسلمان اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھال سکیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں آپؐ کے طریقہ کو اپنا سکیں۔ اس کے علاوہ ان آداب کا تعلق روزمرہ کے معمولات کے ساتھ ہے کہ آپؐ کے گھر میں داخل ہونے کے آداب، آپؐ کی مجلس میں بیٹھنے کے آداب، آپؐ سے گفتگو کرنے کے آداب اور آپؐ

سے مخاطب ہونے کے آداب، آپؐ کی مجلس سے اٹھنے کے آداب، آپؐ سے سوالات کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ کے حقوق میں آپؐ پر درود و سلام بھیجتے رہنے کی تلقین، آپؐ کے مرتبہ کو بلند سمجھنے کی تلقین اور ہر امر میں آپؐ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ یہ تعلیمات قرآن مجید میں جابجا مذکور ہیں تاکہ مسلمان ان پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکیں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔

نتائج

۱۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انسان پر سب سے پہلی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ نبی اکرمؐ کی اطاعت اور آپؐ کے ادب و احترام کو بجالایا جائے۔

۲۔ آپؐ کے ادب و احترام کے حوالے سے قرآن کریم کی بہت ساری آیات میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ ہر مسلمان پر آپؐ کا ادب و احترام کرنا لازمی ہے۔

۳۔ سورت حجرات میں آپؐ کی بارگاہ میں پیش ہونے اور آپؐ کے ساتھ گفتگو کرنے کے آداب بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔

۴۔ آپؐ کے ساتھ محبت اور ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ آپؐ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ محبت اور ادب و احترام کو صرف دعویٰ کی حد تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ آپؐ کی اتباع کر کے اس پر عملی دلیل بھی پیش کی جائے۔

حوالہ جات

---

[1]۔ القرآن سورۃ الفتح آیت ۹

[2]۔ تفہیم القرآن، سید ابو الاعلیٰ مودودی، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۰۴ء، ص: ۵/۴۸، معارف القرآن، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مکتبۃ المعارف، دار العلوم حسینیہ، شہداد پور، سندھ، ۱۴۳۳ھ، ص: ۷/۴۴۵

[3]۔ ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۲۵ھ، ص: ۴/۵۳۸

[4]۔ القرآن سورۃ الاحزاب آیت ۲۱

[5]۔ تفہیم القرآن، ص: ۴/۸۰، ۸۱

[6]۔ ضیاء القرآن، ص: ۴/۳۳

[7]۔ القرآن سورۃ الاحزاب آیت ۵۳

[8]۔ معارف القرآن، ص: ۶/۳۲۳

9۔ تفہیم القرآن، ص:۴/۱۲۰، ضیاء القرآن، ص:۴/۸۶،۸۷

10۔ القرآن سورۃ الحجرات آیت ۱

11۔ تفہیم القرآن، ص:۵/۷۰، ۷۱

12۔ ضیاء القرآن، ۴/۵۷۸

13۔ القرآن سورۃ الحجرات آیت ۲

14۔ معارف القرآن، ص:۷/۴۸۵

15۔ ضیاء القرآن، ص:۴/۵۸۱

16۔ تفہیم القرآن، ص:۵/۷۱

17۔ القرآن سورۃ البقرۃ آیت ۱۰۴

18۔ تفہیم القرآن، ص:۱/۱۰۰، معارف القرآن، ص:۱/۲۵۴

19۔ ضیاء القرآن، ص:۱/۸۳

20۔ معارف القرآن، ص:۱/۲۵۵

21۔ القرآن سورۃ النور آیت ۶۲

22۔ معارف القرآن، ص:۵/۴۷۸

23۔ تفہیم القرآن، ص:۳/۴۲۶

24۔ القرآن سورۃ المائدۃ آیت ۱۰۱

25۔ الجامع الصحیح البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب الاخبار الآحاد، باب مایکرہ من کثرۃ السؤال و تکلف مالا یعنیہ و قولہ تعالیٰ: { لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ }، دار طوق النجاۃ، دمشق، ۱۴۲۲ھ، رقم الحدیث: ۷۲۸۹، ص: ۱۸/۲۶۴

26۔ سنن الدار قطنی، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد دار قطنی، کتاب الطہارۃ، باب الرضاع، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۴ھ، رقم الحدیث: ۴۴۴۵، ص: ۱۰/۱۹۱ (علامہ محمد ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ بحوالہ ریاض الصالحین، محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی، تحقیق: محمد ناصر الدین البانی، مکتب اسلامی، بیروت، لبنان، س-ن، ص: ۱/۶۲۱)

27۔ معارف القرآن، ص:۲/۵۹۲

28۔ القرآن سورۃ الاحزاب آیت ۵۶

29۔ ضیاء القرآن، ص:۴/۸۸،۸۹

30۔ تفہیم القرآن، ص:۴/۱۲۴

31۔ معارف القرآن، ص:۵/۵۴۲

32۔ ضیاء القرآن، ص:۴/۸۹

33۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، رقم الحدیث: ۱۵، ص: ۱/۱۹

34۔ القرآن سورۃ الاحزاب آیت ٦

35۔ ضیاء القرآن، ص: ۴/۱۴

36۔ تفہیم القرآن، ص: ۴/۱۷

37۔ سورۃ آل عمران آیت ۳۱

38۔ معارف القرآن، ص: ۱/۵۹٦

39۔ ضیاء القرآن، ص: ۱/۲۲۲